© rasailojaraid.com

پس چہ باید کرد اے اقوام غرب

عبدالحمید

[یہ مضمون دراصل مصنف نے انگریزی میں لکھا ہے، بعد میں خود ہی انہوں نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، جو "ترجمان" میں دیا جا رہا ہے۔]

پچھلے دنوں روزنامہ ڈان میں انگلستان کے ایک ممتاز اور مقتدر مزدور رہنما مسٹر بیون (BEVEN) کا ایک بیان شائع ہوا۔ اس میں صاحب موصوف نے اسلامی ممالک میں روحانی بےچینی اور اسلامی تحریکات کے متعلق بعض ایسے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جو نہایت اہم ہیں۔ اُن کا ارشاد ہے:۔

"یہ عناصر یعنی مصر اور عرب ممالک میں الاخوان المسلمون، ایران میں فدایانِ اسلام اور پاکستان میں جماعت اسلامی ایک ہرنے والی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ مسلم ممالک میں ان لوگوں کی سرگرمیاں اُن "مسیحی دیوانوں" (CHRISTIAN ZEALOTS) سے ملتی جلتی ہیں جو یورپ میں سالہا سال تک حریّت اور ترقی کے خلاف صف آرا رہے۔ مگر مجھے پورا یقین ہے کہ جس طرح یورپ میں یہ مذہبی دیوانے رہوارِ زمانہ کو روکنے سے قاصر رہے۔ اسی طرح اسلام کے یہ اندھے مقلدین بھی اپنی اقوام کی راہ میں زیادہ دیر تک حائل نہیں ہو سکیں گے۔ حقیقی اسلام حقیقی عیسائیت کی طرح ترقی کا مخالف نہیں مگر ان مذاہب کے جاہل اور تنگ نظر مبلغین اپنے اپنے ممالک میں ایسے پریشان کن حالات پیدا کر رہے ہیں جن میں کمیونزم اور الحاد کو آسانی سے پنپنے کا موقع بہم پہنچے گا۔"

میرے لیے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ بیون صاحب ایسے صاحبِ فکر نے مشرق کے، بلکہ پوری دنیائے اسلام کے جس نازک مسئلہ سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے مَیں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کے احساسات اور تاثرات سے مجھے دلی رنج بھی ہوا۔ یہ رنج اس وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نہیں کہ انہوں نے اسلامی تحریکات کے خلاف کچھ کہا ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان جیسے بالغ النظر مدبر سے ہمیں حالات کے زیادہ گہرے مطالعہ کی توقع تھی۔ چند سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر کے رائے قائم کر لینا ہمیں کم از کم اُن کے شایانِ شان نہیں سمجھتا۔ ہمارے اور اُن کے درمیان ملاقات کی ساری راہیں مسدود ہی سہی مگر مراسلت کی راہ تو مسدود نہ تھی۔ وہ بڑی آسانی سے ایک نوازش نامہ کے ذریعہ ہم سے ہمارا مقصد اور لائحہ عمل دریافت کر سکتے تھے۔ ہم وہ مصلحت سمجھنے سے ابھی تک قاصر ہیں جس کے تحت انہوں نے واقفیت سے زیادہ رائے زنی کو ضروری سمجھا اور بغیر کسی غور و فکر کے ایک بیان داغ دیا۔

اصحابِ فکر کا شیوہ شروع سے ہی یہ چلا آیا ہے کہ وہ تاریخ کی ہر اضطراری چال کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قوموں کے دلوں میں اُتر کر، اُن کے گہرے جذبات اور نازک احساسات کا کھوج لگانے میں پوری پوری زندگیاں کھپا دیتے ہیں اور اس کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچتے ہیں۔ پھر یہ فیصلہ بھی کوئی حتمی اور بے لچک نہیں ہوتا بلکہ حالات کی معمولی کروٹ اُس میں ہر آن تغیر و تبدل پیدا کرتی رہتی ہے۔ انگریز ایسی حقیقت پسند قوم نے دنیا کے ہر معاملہ میں یہی رویہ اختیار کیا۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں اس قوم نے اس معقول راہ کو چھوڑ کر بالکل ایک دوسرا طریقہ پسند کیا۔ اُس نے کبھی یہ ضرورت نہ سمجھی کہ وہ اس قوم کے احساسات کو جاننے کی کوشش کرے، وہ اسباب جو اس کو مضطرب اور بے چین کر رہے ہیں اُن کے متعلق صحیح واقفیت حاصل کرے اور پھر کسی نتیجہ پر پہنچے۔ مسلمانوں کے بارے میں اُس کا وطیرہ ایک ہی رہا ہے۔ جب کبھی ملّت اسلامیہ نے اسلام کا نام لیا تو اس کا چہرہ غضب آلودہ ہو گیا۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا اور پوری قوت سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ اس کے برعکس جب دنیا کے کسی حصہ میں یہ خبر سنائی دی کہ مسلم قوم نے اسلام کو ایک ضابطۂ حیات کی حیثیت سے پسِ پشت ڈال دیا ہے تو اس کی باچھیں کھل گئیں اور چہرے پر رونق آ گئی، لپک کر ان لوگوں کو سینے سے لگایا اور یوں معلوم ہوتا کہ وہ عرصہ سے اسی خوشخبری کی منتظر تھی۔ اسلام ہی وہ اصل دیوار تھی جس نے انگریزی قوم کو اس سے دُور رکھا تھا ورنہ قوم کی حیثیت سے اسے اس سے کوئی پرخاش نہ تھی۔

اس ضمن میں یہ بات بھی کچھ کم معنی خیز نہیں کہ بیون صاحب نے اسلامی تحریکات کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نازک وقت میں لب کشائی کی ہے جب پوری دنیائے اسلام استعماری طاقتوں سے اپنے غصب شدہ حقوق لوٹانے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ جو جذبہ اس کے خون کو گرم اور ارادوں کو جوان کر رہا ہے وہ اسلام ہے۔ اس کی حیثیت شعوری یا غیر شعوری رجحان کی کیوں نہ ہو لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ مسلم اقوام میں یہ چھپتا ہوا احساس ـــ کہ جو کچھ انہیں ہونا چاہیے وہ اب نہیں رہے، اسلام کے اصولوں پر ان کا معاشرہ استوار نہیں اور ان کا نظامِ زندگی وہ نہیں جس کا نقشہ قرآن نے پیش کیا تھا ـــ انہیں سرگرمِ عمل کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے اس جذبہ کو جو اُن کی زندگی کا واحد محرک ہے جس بے دردی سے پائمال کیا جا رہا ہے وہ نہایت ہی افسوسناک ہے۔ مغرب کی استعماری طاقتیں کہیں یہ فریضہ "خود اپنے دستِ مبارک" سے سرانجام دے رہی ہیں اور کہیں "استعماریت نواز ملکی اقلیت" کی وساطت سے اس "مقدس مشن" کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ مسٹر بیون کی قوم بھی چونکہ اس "فرض" میں دوسری اقوام کی شریک ہے اس لیے اگر کوئی فرد بھی صاحبِ موصوف کے ان خیالات کو ایک ایسے "شکاری" کی بوکھلاہٹ سمجھے جس کے بوسیدہ جال سے پرندے پھڑ پھڑا کر اُڑتے جا رہے ہوں تو بیجا نہ ہوگا۔ مگر میں انہیں ایسا تصور نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ اُن کی رائے سیاسی اور ملکی تعصبات سے منزہ ہے اور وہ خلوص پر مبنی ہے۔ مگر جس طریق سے انہوں نے اپنے احساسات کا اظہار فرمایا ہے، وہ ایک ایسی ذہنیت کا پتہ دیتا ہے جس کو بیون صاحب کی طرف منسوب کرنا میرے لیے نہ صرف دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہے۔ بیون صاحب کے خیالات کا پبلک میں آجانا ضروری تھا۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے مخالفین ان سے ہمارے خلاف اپنی ہنگامہ آرائیوں اور ستمرانیوں میں مدد لیں گے، مگر انشاء اللہ اس شر سے بھی ہم خیر ہی اخذ کریں گے اور ہماری کوشش ہوگی کہ انہیں بیگانوں اور یگانوں کی بہت سی دیرینہ غلط فہمیوں کے ازالہ کا واسطہ بنائیں۔ اس لیے بیون صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس ضمن میں یہ گذارش کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب بیون صاحب نے جو باتیں عیسائیت اور عیسائیوں کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں اُن کی نسبت ہم کچھ عرض کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس کے بارے میں خود مسیحی علماء ہی بہتر طریق پر کوئی فیصلہ دے سکتے ہیں۔ بیون صاحب ان کے گھر کے آدمی ہیں اور وہ اُن کے حالات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ البتہ بیان کے اس حصہ سے تعرض کرنا ہمارے لیے ناگزیر ہے جس میں انہوں نے اسلام اور اسلامی تحریکات خصوصاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت اسلامی پاکستان کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ مَیں صاحب موصوف کو اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ جس جذبۂ ہمدردی سے مجبور ہو کر انہوں نے "مذہبی دیوانوں" سے ملتِ اسلامیہ کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے اُسی جذبۂ ہمدردی نے مجھے بھی اس بات پر مجبور کیا ہے کہ جناب بیون صاحب اور اُن کی وساطت سے انگریزی قوم اور مغربی دنیا کے سوچنے اور سمجھنے والے اشخاص کی خدمت میں یہ گزارشات پیش کروں :-

تاریخ انسانی کا غالباً سب سے زیادہ المناک باب وہ ہے جو فرنگی استعماریت اور اسلام سے متعلق ہے جب تک مسلمان اسلام سے دُور رہے، انگریز اُن سے قریب رہا، مگر جونہی کوئی فرد یا گروہ احیائے اسلام کی کوشش میں مصروف ہُوا تو یہ قوم یک لخت اُس کی مخالفت پر اُتر آئی۔ امت کے بڑے بڑے صلحاء اور ائمہ کو جن کی پاکبازی، نیکی، سلامت روی اور اصابت رائے پر خدا کی ساری مخلوق گواہ تھی، سخت سے سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ کبھی اُن پر غداری اور قوم دشمنی جیسے گھناؤنے الزامات لگا کر اپنوں اور بیگانوں میں رسوا کیا گیا۔ کبھی انہیں سالہا سال تک ملک بدر رکھا گیا اور کبھی قید و بند کی صعوبتوں سے اُن کے ارادوں کو متزلزل کرنے کی سعی ناکام کی گئی اور ان میں سے بعض کی جانیں لے کر بھی اس قوم کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہُوا۔ پھر معاملہ یہاں تک ہی محدود نہ رہا بلکہ قوم کے سارے طبقوں میں سے چن چن کر منافقوں کو اکٹھا کیا گیا تاکہ وہ اسلام اور اس کے علمبرداروں کے خلاف لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلائیں۔ روپے دے دے کر کمزور سیرت کے انسانوں کو خریدا گیا تاکہ وہ دینِ حق میں طرح طرح کے رخنے ڈالیں۔ ہر اُس شخص کی پیٹھ ٹھونکی گئی جس نے مسلمانوں کے اندر فروعی اختلافات کو ابھارا اور انہیں اپنے اصل مقصد سے دُور لے جانے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اس قوم میں جس قدر منافق، تھڑدلے، بے ضمیر انسان تھے اُن سب کو حکمران قوم کی پشت پناہی حاصل رہی۔ انہیں سنگینوں اور بندوقوں کے پہرے میں اقتدار کے تخت پر متمکن کیا گیا اور پھر ان کے ذریعہ ہر اسلامی تحریک کو کچلنے کا کام لیا گیا۔ سید جمال الدین افغانیؒ، مفتی محمد عبدہؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حسن البنّاؒ اور اسی طرح کے دوسرے صلحاءِ امت انہی کے تشدد کا شکار ہوئے۔ تاریخ کی اس بدیہی شہادت کے پیشِ نظر مسلم قوم کے دل و دماغ میں یہ خیال اچھی طرح راسخ ہو گیا کہ انگریز اسلام کا سخت دشمن ہے۔

آج سے چند سال پیشتر جب انگریز سارے مشرق پر براہِ راست حکمران تھا تو اس کا یہ رویہ کچھ سمجھ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آسکتا تھا ہمیں یہ معلوم تھا کہ سب ریشہ دوانیاں صرف اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے کی جارہی ہیں مگر اب جبکہ انگریز اپنے اُس بلند مقام سے گر کر بالکل نچلی سطح پر آ گیا ہے، اب جبکہ اُس کی وہ قوت اور شوکت باقی نہیں رہی اور وہ اس بات پر مجبور ہو گیا ہے کہ اپنی "شکارگاہوں" کو خیرباد کہہ کر اپنے ملک کی چاردیواری میں پناہ گزیں ہو تو ایک حقیقت پسند قوم کی حیثیت سے اُس کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے فکر و نظر کے زاویوں میں بھی تبدیلی پیدا کرتا، اپنے سوچنے اور سمجھنے کے انداز بدلتا اور اپنے تعلقات کے استوار کرنے میں نئے معیار قائم کرتا، مگر اسے دنیا کی بدبختی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے طرزِ عمل میں کوئی تغیر کرنا پسند نہیں کیا۔ ہم اس سلسلہ میں اس قوم کے قائدین سے بڑے ادب سے گذارش کرتے ہیں کہ انہیں اب اپنی پرانی روش کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔ دنیا کے حالات اب آپ کے لیے اس طرح موافق نہیں ہے جس طرح کہ چند سال پہلے تھے اور اگر آپ نے اس سلسلہ میں اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تو یہ پالیسی آپ کے حق میں کسی طرح بھی فائدہ مند نہ ہو گی۔ آپ کی حیثیت اب امتِ مسلمہ کے ساتھ حاکم اور محکوم کی نہیں بلکہ ایک برابر قوم کی ہے۔ اس لیے آپ کا فرض ہے کہ آپ اس قوم کے نازک احساسات کو جاننے کی کوشش کریں۔ اگر آپ گنتی کے چند خوشامدی مصاحبین کے بھرّوں میں آ کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ اسلام اور احیائے اسلام کی کوششوں کے خلاف معاندانہ روش اختیار کر کے بھی اس قوم کے دل موہ لیں گے تو یہ سخت غلطی ہے۔ ہم آپ کو بروقت اس غلطی پر متنبہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ دوستی کے پردے میں آپ سے دشمنی کر رہے ہیں۔ اسلام اس قوم کی زندگی میں ایک عنصر کی حیثیت سے شامل نہیں بلکہ وہی اس قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مبدأ اور اساس ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ یہی اس قوم کا جوہرِ حیات ہے۔ اس جوہر کی حفاظت اور پاسبانی امت کے بڑے بڑے متشدد انسانوں نے کی اور اس کو مٹانے میں نہ تو اپنوں کی ملوکیت اور جباری کچھ کام آئی اور نہ غیر ملکی طاقتوں کی قاہری و ساحری نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ مسلم قوم کے معاملہ میں اس جوہر اور قوت کو نظر انداز کرنا گمراہی ہے۔ جو لوگ اس تاریخی قوت کو ملاؤں کی تحریک سمجھ کر اسے مذاق میں اڑانے کی غلطی کریں گے انہیں بہت جلد ہی اپنے جائزے لینے کی کوتاہی کا اندازہ ہو جائے گا۔ پس ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ حالات کا مطالعہ کرنے میں گہری سوچ بچار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کام لیں اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے آپ کو غلط اندیش لوگوں کے حوالے نہ کریں ورنہ اگر ایسا ہوا کہ ملک کی عوامی طاقت کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر، اس کی امنگوں کے خلاف آپ نے چند اقتدار یافتہ افراد کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تو آپ کو ابھی سے سمجھ سوچ لینا چاہیے کہ اس قوم کے دل میں آپ کے لیے کوئی عزت باقی نہ رہیگی اور آپ ہمیشہ کے لیے اس کی ہمدردی سے محروم ہو جائیں گے۔

کمیونزم کے خطرہ نے بلاشبہ ہم دونوں کو اس بات کے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کن کن ذرائع سے کام لے کر ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے بعض معاملات میں ہمارا اشتراکِ عمل بھی ہو جائے مگر یہ حقیقت ہم بغیر کسی لاگ لپیٹ کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ جس طریق سے آپ اس خطرہ کو ٹالنا چاہتے ہیں وہ بالکل ناکارہ ہے۔ ڈر فی الحقیقت کوئی تعمیری طاقت نہیں اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ذہنی اور ہنگامی چیز ہے۔ اس پر کوئی معقول قوم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انحصار نہیں کر سکتی۔ کمیونزم جس کے ڈر سے آپ پر لرزہ طاری ہے۔ نوعِ انسانی کے سامنے ایک مثبت پروگرام پیش کرتا ہے۔ اس کے اصولوں اور نعروں میں گونا گوں کشش موجود ہے۔ اس کی آئیڈیالوجی لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ کیا اتنی بڑی قوت کا محض ڈر ایسی سلبی چیز سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس غرض کے لیے تو ہمیں کوئی ایجابی چیز چاہیے جو دائمی اور مستقل ہو۔ جس کی قوتِ جاذبہ سے ہم جڑ جائیں۔ جس کی قوتِ محرکہ سے ہم متحرک ہو جائیں، جو ہماری تمام تعمیری قوتوں اور صلاحیتوں کو اُبھار دے، اور جس کے فیض سے ہمیں وہ اطمینان اور سکون حاصل ہو جو کمیونزم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ خود فیصلہ کیجیے کہ کیا سرمایہ دارانہ نظام وقت کے ان تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔ وہ نظام جس نے پچھلی ایک صدی میں پوری دنیا کو جہنم بنا رکھا ہو۔ اس پر تکیہ کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ مشرق کی کمزور اقوام جانتی ہیں کہ یہ صرف اسی نظام کی برکتیں تھیں کہ اُن کی آزادیاں سلب کی گئیں، اُن کے ممالک کو تباہ و برباد کیا گیا اور اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان حالات میں کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ مسلم اقوام استعماریت کے نام پر آپ کا ساتھ دیں گی؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ قومیں بھی مستبد اور جابر بن کر آپ کی پیروی میں کمزوروں پر ٹوٹ پڑیں۔ اگر آپ کے یہ عزائم نہیں، اور مجھے یقین ہے کہ پچھلے چند سالوں کی چوٹیں کھانے کے بعد ان میں تبدیلی پیدا ہو چکی ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر نہایت ہی ادب سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو موقع دیجیے کہ وہ دنیا کے سامنے اُس نظام کو پیش کریں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔ آپ کی اس کے بارے میں جو رائے بھی ہو، ہمیں اس سے کوئی تعرض نہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ کمیونزم کے مقابلہ میں اگر کوئی بہتر آئیڈیالوجی پیش کی جا سکتی ہے تو صرف یہی ہے۔ ہم یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے گی اُس کی زندگی ہر قسم کی کشاکش سے پاک ہوگی۔ ہم اس نظام کی طرف آپ کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کو یہ قابلِ قبول نہیں تو براہِ کرم ہمارے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ ہم یہ گذارش کسی جذبۂ نفرت و غضب کے بغیر خالص جذبۂ خیر خواہی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ کمیونزم اور اُس کے خطرات کتنے ہی شدید سہی، مگر آپ کو اپنے حواس کو تو بجا رکھنا چاہیے۔ آپ وقتی فائدہ اور نقصان کی فکر میں اتنے کھوئے جا رہے ہیں کہ اپنی حرکات کے دور رس اخلاقی نتائج سے یکسر آنکھیں بند کر لی ہیں۔ آپ غالباً بھول چکے ہیں کہ کشمکشِ حیات میں اخلاقی موت مر جانے کے بعد کوئی فوجی اور معاشی قوت آپ کو عزت کے مقام پر برقرار نہیں رکھ سکتی۔ مصر، ایران، ٹیونس، انڈونیشیا، مراکو اور الجیریا بالغرض پوری دنیائے اسلام میں جس سینہ فگار المیہ کی آپ ڈائریکٹنگ فرما رہے ہیں، وہ آپ کے لیے کسی نیک نامی کا باعث نہیں بن سکتی۔ وقت خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، بہر حال گذر جاتا ہے۔ مگر تاریخ میں اپنی ایک مستقل یادگار بھی چھوڑ جاتا ہے اور اس کے برے اثرات نسلوں تک چلتے رہتے ہیں۔ آپ اس وقت مسلم قوم کے معاملہ میں جس ظلم اور زیادتی سے کام لے رہے ہیں وہ تاریخ میں آپ کی ایک ایسی شرمناک میراث ہوگی جس پر آپ کی آئندہ نسلیں صدیوں تک دنیا میں نظر اونچی نہ کر سکیں گی۔ آپ کے اصل کارنامے وہ نہیں ہیں جو آپ نے اپنی مدح میں خود تصنیف کر رکھے ہیں بلکہ وہ ہیں جو تاریخ میں باقی رہ جائیں۔ آپ نے تاریخ میں اُن روسیاہ قوموں کی تصویریں دیکھی ہیں جنھوں نے حق اور انصاف کا خون کیا، جنھوں نے خونریزی، سفاکی اور زیردست آزاری کو اپنی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ بنایا۔ کیا آپ نے بھی اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ اپنی تصویر کے لیے بھی اسی گیلری میں کوئی بلند جگہ محفوظ کرائی جائے۔ اسی ضمن میں یہ حقیقت بھی آپ کے ذہن نشین ہونی چاہیے کہ دنیا کی کوئی قوم بغیر مضبوط اور قوی لائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اپنی آئیڈیالوجی ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ بالخصوص وہ آئیڈیالوجی جس نے اُسے ایک الگ قومی وجود عطا کیا ہو۔ مسلمانوں کے معاملہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے ہی اس قوم کے خیالات، اس کی تمناؤں، اس کے طرز بود و باش، اس کی ضروریات کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا ہے۔ مسلم قوم کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ محض افراد کا مجموعہ ہے جس کی اپنی کوئی ٹھوس اور پائیدار رائے نہیں اصولاً غلط ہے۔ اسی لیے اس کے نقطۂ نظر کو بدلنے کی وہ تمام تجاویز جو اس مفروضہ پر مبنی ہوں بہت احتیاط کے ساتھ نظر ثانی کی محتاج ہیں۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں بلاشبہ وہ کثیر التعداد نسلیں شامل ہیں جو وقتاً فوقتاً اس میں جذب ہوتی رہیں، مگر وہ قوت رابطہ و ضابطہ جس نے ان مختلف نسلوں اور قوموں کے اجزائی تخیلات کو اپنی مقناطیسیت سے جوڑ کر ایک وحدت بنا دیا وہ اسلام ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراکِ وطن، نہ اشتراکِ اغراضِ اقتصادی۔ بلکہ ہم لوگ اُس برادری سے تعلق رکھتے ہیں جو جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی ہے۔ ہماری قومیت ایک خاص تنزیہی تصور سے وجود میں آئی ہے۔ آپ کے نزدیک اس تصور کی کوئی اہمیت ہو یا نہ ہو مگر مسلم قوم کی نظر میں ہی اُس کی حیات ہے۔ آپ خود ہی سوچیے کہ کیا اس قوم کا اس بنیادی تصور سے انحراف اپنی زندگی اور وجود سے انکار کے مترادف نہیں؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر اس تخیل سے اسے ہٹا کر کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط ثبت کرے۔ آپ جیسے مشفق اور ناصح جو چاہیں کہتے رہیں مگر کوئی قوم جسے خداوند تعالیٰ نے تھوڑی بہت بھی عقل دی ہے وہ اسے گوارا نہیں کر سکتی۔ کیا مسلم قوم کے متعلق آپ کی رائے اس قدر ناقص ہے کہ وہ محض آپ کی خوشنودی کے لیے اتنی بڑی قربانی دینے پر رضامند ہو جائیگی۔

اگر یورپ کے تنگ نظر پادریوں نے رہوارِ زمانہ کو روکنے کی غلطی کی تو یہ اُن کا اپنا قصور تھا کہ انہوں نے فطرتِ انسانی کے خلاف جدوجہد شروع کی، مگر اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اسی جرم کا ارتکاب کیا ہوگا۔ مسلم قوم کے نزدیک مذہب کا تصور اہلِ مغرب سے بالکل جداگانہ ہے۔ کوئی شخص جو مسیحی مذہب اور پاپائیت کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح شناسا ہے کہ مسیحیت کی بنیاد صرف اُن اخلاقی تعلیمات پر رکھی گئی تھی جو نئے عہدنامہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان اخلاقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیمات میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جس پر ایک تمدن اور ایک ریاست کا نظام چلایا جا سکے۔ لہٰذا جب کبھی اہلِ یورپ میں مذہبی حکومت کے قیام کا خیال پیدا ہوا تو انہیں سوائے چند اخلاقی تعلیمات کے اور کوئی رہنمائی نہ مل سکی، اور معاشرتی ضوابط اور ملکی قوانین کے لیے انہیں پاپاؤں کا دست نگر ہونا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ احکامات کسی وحی والہام سے تو ماخوذ نہ تھے بلکہ خود اُن کے گھڑے ہوئے تھے مگر انہوں نے نہایت ہی عیاری سے انہیں احکامِ الٰہی کے طور پر پیش کر دیا۔

اہلِ کلیسا کی گمراہی کی دوسری وجہ مذہب وسیاست کی تفریق کا نظریہ ہے۔ مسیحی علماء نے وقت کے غلط رجحانات سے متاثر ہو کر روح اور مادہ کی ثنویت کے اصول کا پرچار شروع کر دیا۔ اس سے عام انسانوں میں یہ خیال پرورش پانے لگا کہ انسان کی روح اور جسم ایک دوسرے کی عین ضد ہیں۔ اُس کا جسم ایک قفس ہے جس میں طائرِ روح مقید ہے، وہ قفس اس کی ہر قسم کی ترقی اور پرواز میں حارج ہے۔ روح اپنے مرکزِ اصلی اور سرچشمۂ حقیقت سے اس وقت تک اتصال پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اس قفس سے آزاد نہ ہو، اس لیے یا تو اس قفس کو توڑ دیا جائے یا اس کی تیلیوں کو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ طائرِ روح جب چاہے آزادانہ اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کر سکے۔ مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ غلط تعلیم اُس عارفِ ربانی نے دی مگر اس امر سے انکار نہیں کہ سینٹ پال اور اس کے پرستاروں نے جس قسم کی اخلاقی تعلیمات عیسائیت کے نام پر لوگوں میں مقبول کرنا چاہیں اس نظریہ سے انہیں تقویت حاصل ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عیسائیوں میں جسم کی تعذیب، مادیت کا ازالۂ محض، خواہشاتِ انسانی کا استیصالِ کلی، جذبات کشی، تجرد اور رہبانیت مذہب کے اصول و فرائض میں شامل ہو گئے۔ مذہب کے سچے پرستاروں نے اپنی نجات کے لیے جسم اور اس کے متعلقات سے نہ صرف غفلت برتنا شروع کی بلکہ اس کے خلاف ایک ایسا معاندانہ جذبہ پیدا کر لیا جو کسی راہ رَو کو ایسے پتھر کے مقابلہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے اُس نے بار بار ٹھوکر کھائی ہو۔ اس سے دنیا کو دار العذاب، زندگی کو ایک بارِ گراں اور دنیاوی تعلقات کو طوق و سلاسل سمجھا جانے لگا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تصورات پر کسی محدود سے محدود رقبۂ زمین میں بھی کوئی تمدنی زندگی معرضِ وجود میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ حضرت مسیح کے پیرو دو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عیسائی ممالک میں بہ یک وقت معصیت و آزادی اور زہد و رہبانیت کی دو متقابل تحریکیں دوش بدوش چلنے لگیں۔ صحرانشین راہب معرفتِ الٰہی میں اس قدر گم تھے کہ امورِ سلطنت تو کیا انہیں اپنے جسموں تک کی ہوش نہ رہی۔ اس کے برعکس شہروں میں بسنے والوں نے خداوند تعالیٰ سے سارے رشتے توڑ کر اپنے آپ کو قیصر کے حوالہ کر دیا۔ وہ دنیا اور اس کے فوائد و لذائذ میں اس قدر کھو گئے کہ انہیں کبھی بھی خدا کی پکار اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔

دین و دنیا کی یہ دو متقابل تحریکیں جس طرح انسان کی خارجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں بالکل اسی طرح انسان کی داخلی زندگی میں بھی انہیں تسلط حاصل ہوا۔ انسان کے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت کے ساتھ پرورش پانے لگا کہ مذہب زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ انسان کی دنیوی زندگی کے ساتھ ایک ضمیمہ کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ بعد کی زندگی میں نجات کے لیے ایک سرٹیفکیٹ کے طور پر کام آسکے۔ اس کا تعلق کلیتۃً صرف اس رشتہ سے ہے جو انسان اور اس کے معبود کے درمیان پایا جاتا ہے۔ مذہب کا کام یہ نہیں کہ انسان کی دنیوی زندگی میں کسی طریق سے دخل انداز ہو، بلکہ اُس کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے کہ اُس کے ساتھ ایک ضمیمہ کی حیثیت سے لگا رہے۔ دنیا کے سارے کام اپنے ڈھنگ پر چلتے رہیں مگر ان کے ساتھ چند مذہبی رسموں کو ادا کر کے خالق کو بھی خوش کر لیا جائے۔ انسان کا تعلق خود اپنے نفس سے، اپنے ابنائے نوع سے، اپنے گرد و پیش کی ساری دنیا سے ایک الگ چیز ہے اور اس کا تعلق اپنے رب سے ایک دوسری چیز ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہیں۔

عیسائیت کے اس تصورِ مذہب کے خلاف اب یہ دیکھیے کہ اسلام کونسا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔

اسلام میں مذہب کا مفہوم محض پوجا نہیں بلکہ بندگی ہے۔ اس لیے اس کی تعلیمات کا دائرہ صرف اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ حیاتِ انسانی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ وہ زندگی کا ایک جزو نہیں بلکہ تمام زندگی ہے، زندگی کی روح اور اس کی قوتِ محرکہ ہے، فکر و نظر ہے، صحیح و غلط میں امتیاز کرنے والی کسوٹی ہے، اس لحاظ سے مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں خواہ اُن کا تعلق اُن کی سیاسی زندگی سے ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا اُن کی روحانی زندگی سے مستقل اقدار کے حامل ہیں۔ وہ ایک متعین اسلوبِ حیات اور اندازِ زیست کے مالک ہیں۔ اُن کا مسلمان ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ زندگی کے سارے خانوں میں صرف اسلام کا رنگ بھریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اخلاق کے لیے ہی نہیں بلکہ زندگی کے سارے معاملات تہذیب و معاشرت، معیشت و اجتماع، آئین و سیاست، علم و فلسفہ کے لیے بھی نہایت واضح احکام صادر فرما دیئے ہیں۔ لہٰذا یہاں اس امر کا امکان بہت کم ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے وضع کردہ نظریات کو الہامِ الٰہی کے طور پر پیش کر سکے۔ اگر کبھی اس قسم کی کوئی حرکت کی بھی گئی تو پوری امت نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ حقیقت نکھر کر سامنے نہ آ گئی۔ چنانچہ بیون صاحب کا مذہبی حکومت کے متعلق یہ خوف کہ یہاں مذہبی رہنماؤں کا گروہ اپنے افکار کو احکامِ خداوندی کی حیثیت سے انسانوں پر ٹھونسنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسلام کے معاملہ میں بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرے اسلام روح اور مادہ کی ثنویت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ اُس کے نزدیک جسم اور روح ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہیں۔ اسلام کی نظر میں رفعتِ اخلاق یہ نہیں کہ انسان اس دنیا کو چھوڑ دے، اس کی لذتوں اور رغبتوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ اس کے برعکس اُس نے انسان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ یہ دنیا انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہے، اور اس لیے اس کا فرض یہ ہے کہ اُس کو برتے اور خوب سمجھ کر برتے۔ مگر بُرے اور بھلے، حق و ناحق کو جان کر برتے، خدا نے اُسے شعور و آگہی کی جو قوتیں عطا کی ہیں اُن سے کام لے اور اپنے عمل سے ثابت کر دے کہ وہ ترغیبات کے ہجوم میں رہتے ہوئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور اس میں جو شخص اپنے باعمل ہونے کا ثبوت پیش نہیں کرتا، وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو بالکل ضائع کر دیتا ہے۔ اسلام میں بندگی کسی غار میں بیٹھ کر ذکر و اذکار میں انہماک نہیں بلکہ یہاں زندگی کی کشاکش، بازاروں کے شور و شغب اور کاروبار کی مصروفیتوں میں رہ کر خدا کو نہ بھولنا اصل عبادت ہے۔ اسلام نے انسان کے فطری داعیات اور جذبات کو مٹانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اُن کو صحیح راہ پر لگانے کا ایک مربوط پروگرام دیا ہے۔ لہٰذا اس کا مقصد انسانی فطرت کا ازالہ نہیں بلکہ امالہ ہے۔ اُس نے صرف اس کا رخ شر سے خیر کی طرف پھیر دیا۔ اس کا بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء کرام تبدیلِ فطرت کے لیے نہیں بلکہ تکمیلِ فطرت کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ تیسرے اسلام دین اور دنیا کی دوئی کے نظریہ کو بھی سراسر باطل قرار دیتا ہے۔ اس کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ نوعِ انسانی کو "کلیدِ دین" سے "درِ دنیا" کو کھولنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کا ہر لمحہ اور لحظہ ملازم سمجھے۔ اُس کا سونا جاگنا، اس کا کھانا پینا، اس کا چلنا پھرنا غرض اُس کے سارے اعمال صرف اُسی ایک کی رضا اور خوشنودی کے لیے وقف ہوں۔ یہاں فلاح کا مدار حیاتِ اجتماعی سے فرار پر نہیں بلکہ اس کے منجدھار میں رہ کر اپنے خالق سے اپنی محبت اور وفاداری کے رشتہ کو قائم رکھنے پر ہے۔ اس کی نجات کا راز دنیا اور اُس کے تعلقات سے مُنہ موڑنے میں مضمر نہیں بلکہ اس میں ہے کہ وہ ہر قسم کے دنیاوی تعلقات میں بندھ کر، ان ذمہ داریوں اور امانتوں کے بوجھ سے لدکر، خوف اور لالچ، بیم و رجا کے ماحول میں رہ کر، اپنے پیدا کرنے والے کے منشا کو پورا کرے۔ اسلام نے روحانی ترقی اور خدا کی یافت کا جو راستہ بتایا ہے وہ سینٹ پال کی عیسائیت سے مختلف ہے۔ یہاں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا جنگلوں اور ویرانوں میں تلاش کرنے سے نہیں ملتا بلکہ انسانی بستیوں میں ملتا ہے۔ حضور سرورِ دو عالم نے اس باطل خیال کی پوری شدت سے تردید فرمائی ہے کہ مذہب انسانی زندگی کا محض ایک شعبہ یا ضمیمہ ہے۔ ایسی چیز کو مذہب کے نام سے موسوم کرنا ہی غلط ہے۔ اسی لیے اسلام نے اپنے پیش کردہ نظامِ حیات کا نام دین رکھا ہے۔ یہاں تمام دنیاوی اعمال خالص دینی نوعیت رکھتے ہیں۔ انسانی عمل کی کوئی شق، اخلاقی اور دینی عنصر سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یہ جس قدر خدا اور انسان کے تعلق سے بحث کرتا ہے اسی قدر انسان اور انسان کے تعلق سے بھی کرتا ہے اور اسی قدر انسان اور ساری کائنات کے تعلق سے بھی۔ یہ انسان کو یہ بتاتا ہے کہ "انسانی تعلقات کے یہ شعبے الگ الگ اور دوسرے سے مختلف و بیگانہ نہیں بلکہ ایک مجموعہ کے مربوط اور مرتب اجزا ہیں اور ان کی صحیح ترکیب پر ہی انسان کی فلاح کا مدار ہے۔ انسان اور کائنات کا تعلق درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان اور خدا کا تعلق درست نہ ہو۔ اسی طرح انسان اور خدا کا تعلق بھی درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان اور کائنات کا تعلق درست نہ ہو۔ پس یہ دونوں تعلق ایک دوسرے کی تکمیل و تصحیح کرتے ہیں۔ دونوں مل کر ایک کامیاب زندگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بناتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام ایک خاص طریقِ فکر اور پوری زندگی کے متعلق ایک خاص نقطۂ نظر ہے۔ پھر وہ ایک خاص طرزِ عمل ہے جس کا راستہ اسی طریقِ فکر اور اسی نظریۂ زندگی سے متعین ہوتا ہے۔ اس طریقِ فکر اور طرزِ عمل سے جو ہیئت حاصل ہوتی ہے وہی مذہبِ اسلام ہے، وہی تہذیبِ اسلامی ہے اور وہی تمدنِ اسلامی ہے۔ یہاں مذہب اور تہذیب و تمدن الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ سب مل کر ایک مجموعہ بناتے ہیں وہی ایک طریقِ فکر اور نظریۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر مسئلہ کا تصفیہ کرتا ہے۔ انسان پر خدا کے کیا حقوق ہیں، خود اپنے نفس کے کیا حقوق ہیں، ماں باپ کے، بیوی بچوں کے، عزیزوں اور قرابت داروں کے، پڑوسیوں اور معاملہ داروں کے، ہم مذہبوں اور غیر مذہب والوں کے، دشمنوں اور دوستوں کے، ساری نوعِ انسانی کے، حتیٰ کہ کائنات کی ہر چیز اور قوت کے کیا حقوق ہیں۔ وہ ان تمام حقوق کے درمیان کامل توازن اور عدل قائم کرتا ہے اور ایک شخص کا مسلمان ہونا اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ وہ ان تمام حقوق کو پورے انصاف کے ساتھ ادا کرے گا۔ غرض وہ ایک ہی نقطۂ نظر ہے جو مسجد سے لے کر بازار اور میدانِ کارزار تک، طریقِ عبادت سے لے کر ریڈیو اور ہوائی جہاز کے طریقِ استعمال تک، غسل و وضو اور طہارت و استنجاء کے جزوی مسائل سے لے کر اجتماعیات، معاشیات اور بین الاقوامی تعلقات کے بڑے بڑے مسائل تک، مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر آثارِ فطرت کے انتہائی مشاہدات اور قوانینِ طبعی کی بلند ترین تحقیقات تک، زندگی کی تمام مساعی اور فکر و عمل کے تمام شعبوں کو ایک ایسی وحدت بناتا ہے، جس کے اجزاء میں ایک مقصدی ترتیب اور ایک ارادی ربط پایا جاتا ہے، اور ان سب کو ایک مشین کے پرزوں کی طرح اس طرح جوڑتا ہے کہ ان کی حرکت اور تعامل سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہو۔[1]" یہاں انسان کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں کوئی حدِ فاصل نہیں بلکہ دینِ حق اُن دونوں کو ایک ہی سمجھتا ہے۔ یہاں قیصر کا کوئی حصہ نہیں بلکہ سارے کا سارا حصہ خالق کا ہے۔ اسلام نے دین اور دنیا کی دوئی کو مٹا کر فطرتِ انسانی کے اس بڑے راز کو آشکارا کیا ہے کہ زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ ممکن ہے کہ دین کا یہ صحیح تصور بیون صاحب کی عقل میں نہ آسکے، مگر مسلم قوم اس حقیقت

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی : مسلمانوں کی موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ جو مذہب اُسے اعتقادات اور عبادت کے طریقے بتاتا ہے، وہی اُسے معاشرتی تعلقات میں، تجارتی لین دین میں، معاشی بندوبست میں اور سیاست ایسے میدانِ خارزار میں بھی راہنمائی دیتا ہے۔ جزئیات میں عمل کی شکلیں الگ ہوسکتی ہیں، احکام کی تعبیرات اور فروعات پر اصول کے انطباق میں تھوڑا بہت اختلاف ہوسکتا ہے، ایک ہی ذہن کی کارفرمائی مختلف مظاہر اختیار کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اختلاف عوارض کا اختلاف ہے، جوہری اختلاف نہیں۔ جس بنیاد پر اسلام میں زندگی کی پوری اسکیم مرتب کی گئی ہے۔ اور اس کے تمام شعبوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے وہ کسی قسم کے اختلاف قبول نہیں کرتی۔

جناب بیون صاحب اگر ان تصریحات کا گہری نظر سے جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ مسلم قوم مذہب کو اپنی اجتماعی زندگی سے خارج کر کے اپنی تہذیب کو تو کیا اپنے وجود کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اس کے لیے یہ ناممکن ہے کہ سیاسی مملکتی اور تمدنی امور میں مذہبی اندازِ فکر اور مذہبی طرزِ خیال سے ہٹ کر کسی دوسرے طرزِ فکر کے مطابق کام کرے یا اجتماعی زندگی کی کوئی ایسی شکل گوارہ کرلے جو اس کے مذہبی احساسات و تخیلات سے بالکل مغائر ہو۔ مذہب اور سیاست کے ایک ہونے کا احساس اس قوم میں اس قدر شدید اور گہرا ہے کہ مغرب کی ایک صدی کی براہِ راست فرمانروائی بھی اس تصور کو مٹا نہیں سکی۔ چنانچہ یورپ کی استعماری طاقتوں نے جب کبھی اس غلط تصور کو مسلمانوں میں زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی تو ان میں اس کے خلاف ایک شدید ردِّ عمل پیدا ہوا۔ غیر تو غیر خود ہماری ملت کے "ترکِ نادان" کو جو ایک وقت میں بڑا ہر دلعزیز اور مسلم قوم کا واحد نجات دہندہ سمجھا جاتا تھا اس باب میں کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اُس نے حکومت کی طاقت سے اور اپنی مقبولیت سے سالہا سال تک اسلامی تصورات کی بیخ کنی اور مغربی تصورات کی آبیاری کی کوششیں کیں مگر اُن کے بعد بھی دیکھیے تو معاملہ وہیں کا وہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ مصطفیٰ کمال کی سیاسی عزت کو بچانے کے لیے قانون کی قوت سے کام لیا جا رہا ہے۔ یہی حال مصر کا ہے۔ دین کی ہمہ گیری کا تصور ہزار تشدد کے باوجود ختم نہیں ہوسکا۔ پاکستان کے عوام میں تو یہ شعور اور بھی زیادہ گہرا ہے کیونکہ اس نظریہ کی بنا پر انہوں نے آزادی کی جنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لڑی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک آزاد اور الگ ریاست کے مطالبہ کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ اس برِ عظیم میں ہندو قوم کے سوا ان کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ اگر صرف یہی بات ہوتی تو اس میں کوئی قباحت نہ تھی کہ وہ اپنے مذہب اور کلچر کو ایک حد تک محفوظ رکھ کر ہندوستانی قوم کا ایک جزو بننے پر راضی ہو جاتے۔ اس میں آخر کونسی چیز اُن کے مانع تھی کہ وہ اپنے مذہبی عقائد پر قائم رہتے ہوئے اور اپنی رسوم عبادات اور معاشرتی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے امورِ مملکت کے انصرام اور نظمِ اجتماعی کی تشکیل میں ہندوؤں کے ساتھ پورا پورا اشتراکِ عمل کر لیتے۔ کانگرس کے حامی بھی یہی کہتے کہ تم دوسری قوموں کی طرح اپنی مذہبی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے ہندوستانی قوم میں آخر کیوں شامل نہیں ہوتے۔ اس کا جواب مسلم قوم کی طرف سے یہ دیا جاتا کہ ہم اپنی مذہبی زندگی اور اجتماعی زندگی میں کوئی تفریق نہیں کر سکتے، کیونکہ مذہب ہی ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اصل اساس ہے۔ ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم مسلمان رہتے ہوئے سیاسی اور ملکی امور میں مذہب سے ہٹ کر کوئی کام کر سکیں۔ ہم آزادی کے اس لیے طلبگار ہیں کہ اسلامی نظامِ حیات کو بالفعل دنیا میں نافذ کر سکیں۔ یہ ہمارے دین کا عین اقتضا ہے۔ اس نظریہ میں مسلم قوم کے لیے اتنی کشش ہے کہ وہ اس کے بلاوے پر فوراً ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو گئے اور بڑی قربانیوں کے بعد اسلام کی اس "تجربہ گاہ" کو حاصل کیا۔ کیا بیون صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس نظریہ کو ترک کر کے ہم خدا سے بغاوت جیسے جرمِ عظیم کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ اپنی پوری تاریخ پر خود اپنے ہاتھ سے خطِ تنسیخ کھینچ دیں؟

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

اس سلسلہ میں بیون صاحب کو یہ چیز بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ اہلِ کلیسا نے تاریخ میں جو افسوسناک روایات چھوڑی ہیں مسلم قوم کی زندگی اُن سے بڑی حد تک پاک ہے۔ پہاڑی کے وعظ نے عیسائیوں کو ہر ظلم و تعدی کو خاموشی سے برداشت کرنے کا سبق دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ صرف ہر قسم کی زیادتیوں کو بخوشی برداشت کرتے رہے، بلکہ اسی میں انہوں نے سعادت و فلاح بھی ڈھونڈھنا چاہی، وقت کے فرمانرواؤں، اور مذہب کے اجارہ داروں نے اس موقع کو غنیمت جان کر کمزور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بے سہارا لوگوں کو اور ستانا شروع کیا۔ یہ لوگ مختلف طریقوں سے مال اور قوت جمع کر کے اس دنیا میں فرعون بنے جا رہے تھے مگر کسی متقی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ مظلوموں کی فریادیں افلاک تک پہنچ رہی تھیں مگر کوئی پارسا ان سے متاثر نہ ہوتا۔ عوام ہلاکت اور بربادیوں کے جنگل میں گرفتار تھے مگر کسی پرہیزگار کی رگ حمیت نہ پھڑکتی۔ اہل مذہب کی ساری سرگرمیاں محض "گلیم خویش" کو بچانے تک محدود تھیں۔ دنیا اور اس کے متعلقہ امور نہایت ہی ذلیل اور بد دیانت قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھے۔ وہ جس طرح چاہتے ان معاملات کو طے کرتے اور کوئی ان پر گرفت کرنے والا نہ ہوتا۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال اچھی طرح جڑ پکڑ چکا تھا کہ لوگوں کی ہلاکت اور مظلومیت منشاء الٰہی کے عین مطابق ہے اس لیے کسی مقدس انسان کو خداوند تعالیٰ کے ارادہ میں دخیل ہو کر ظالموں کا ہاتھ نہیں روکنا چاہیے۔

اسلام کی تعلیم اس سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس کی عین ضد ہے۔ یہاں استبدادیت کے سامنے سپر ڈال دینے کی بجائے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ظلم و عدوان مالکِ ارض و سموات کے منشاء کے خلاف ہیں۔ اس لیے ایک مسلم کا یہ فرض ہے کہ انہیں اس دنیا سے جلد از جلد مٹانے کی سعی کرے۔ اسلام تو نام ہے اس یقین انگیز، ایمان پرور اور باطل شکن تحریک کا جس میں انسان ہر غیر الٰہی اور ظالمانہ نظام کو ختم کر کے رضائے الٰہی کے مطابق ایک پُرامن نظام کی بنیاد رکھتا ہے۔

پھر اہلِ کلیسا کے برعکس علماء اسلام نے انسانوں کو اپنے بندھنوں میں جکڑنے کے بجائے انہیں ہر قسم کی محکومی سے نجات دلائی۔ انہی کی مساعی سے جبر و استبداد سرنگوں ہوئے۔ غلامی کی زنجیریں کٹیں اور انسان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ تمام جھوٹے خداؤں سے بغاوت کر کے صرف خدائے واحد کی بندگی اختیار کرے۔ یہ لوگ اہلِ کلیسا کی طرح عیش و عشرت میں منہمک ہو کر اپنا دماغی توازن نہیں کھو چکے تھے۔ بلکہ صحیح معنوں میں پہاڑی کا چراغ اور زمین کا نمک تھے۔ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ دل کے سچے، علم کے گہرے اور تکلفات سے دُور تھے۔ یہ حضرات مسیحی پادریوں کی طرح کبھی بھی خوف و دہشت کی طاقت نہ بنے بلکہ نیکی اور عدل کے پیغامبر کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے اور جب کسی فرد یا گروہ نے بھلائی کی اس روش کو ترک کر کے برائی کی راہ اختیار کی، تو خود اُس کے اپنے طبقہ میں اُس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسوائی ہوئی۔ یہی وہ پاکباز انسان تھے جنہیں دکھوں سے چُور انسانیت نے اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ انہوں نے اولادِ آدم کی فلاح کے لیے جمشید اور قیصر و کسریٰ کے شاہانہ اختیارات کو چیلنج کیا۔ خسروانہ جلال اور غیر مسئول اقتدار کے سامنے بھی حق و صداقت کی آواز بلند کی۔ اور کئی بار جان تک کی بازی لگا کر انسانیت کے حقوق کی حفاظت اور پاسبانی کا فرض سرانجام دیا۔ انہی کا پاک وجود ہزاروں سال تک ابتری اور ہلاکت کے راستہ میں ایک بڑی روک کا کام دیتا رہا اور انسانیت کو ان تمام فتنوں اور خطرات سے جو عالم پر محیط تھے عرصہ تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ نوعِ انسانی ان کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں کے کردار کو پاپاؤں کی سیرت پر قیاس کر کے کوئی حکم لگانا تاریخ کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے۔

تاریخِ اسلام مذہب اور سائنس کی اُس غیر معقول کشمکش سے بھی قطعاً خالی ہے جس کا مظاہرہ عیسائیت نے کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علماءِ اسلام بعض اوقات فقہی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئے مگر سائنس دانوں پر اُن کے علمی انکشافات اور تجربات کی بنا پر کوئی ظلم اور زیادتی نہ کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ عین اُس وقت جب یورپ میں فلاسفہ اور سائنس دانوں کے خون اُن کی علمی تحقیقات کی وجہ سے بہائے جا رہے تھے، جب محکمۂ احتساب اُن کو زندہ جلا دینے کے احکام جاری کر رہا تھا تو اس وقت علماءِ اسلام خود فطرت کے رازہائے سربستہ معلوم کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ مسلم قوم ایسے بے شمار ناموں سے واقف ہے جو علمِ دین کے ماہر ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے بہت بڑے فلسفی اور سائنس دان بھی تھے۔ رابرٹ برائی فالٹ اپنی کتاب "تشکیلِ انسانیت" میں اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"تاریخِ انسانی میں شاید ہی کوئی دور ایسا گزرا ہو جب حکمراں طبقہ نے علم کے حصول کے لیے اس قدر اضطراب کا اظہار کیا ہو۔ خلفاء اور امرا اپنے دیوان سے دار المطالعہ اور معمل میں چلے جاتے اور ریاضی اور سائنس کے مسائل پر بڑے شوق سے تبادلۂ خیالات کرتے۔ مسودات اور جڑی بوٹیوں سے لدے ہوئے قافلے بخارا اور مصر سے اندلس تک لائے جاتے محض کتابوں کی تلاش میں ہندوستان اور قسطنطنیہ میں سفرا کو بھیجا جاتا۔ بعض اوقات مصنفین اور ریاضی دان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاوانِ جنگ کے طور پر قبول کر لیے جاتے۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مکتب بھی تھا۔ اصحاب علم کو بغیر کسی نسلی اور مذہبی تفریق کے قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔"

"دنیائے جدید کو عربوں کے تمدن نے سب سے قیمتی چیز جو عطا کی وہ سائنس ہے لیکن اس کے ثمرات سے بہت دیر میں فائدہ اٹھایا گیا۔ جب اندلس میں عربوں کا تمدن تاریکی میں چھپ گیا، اس کے ایک طویل عرصہ کے بعد یورپ کا وہ عظیم الشان تمدن ظہور میں آیا جو اسی عربی تمدن کا آفریدہ تھا۔ یہ صرف سائنس ہی نہ تھی جس نے یورپ کو نئی زندگی بخشی بلکہ اسلامی تمدن کے بکثرت ایسے اثرات پڑے جنہوں نے یورپ کی زندگی کو پہلے پہل تہذیب کی روشنی سے منور کیا۔"

اگرچہ یورپ کے نشو و نما کا ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس پر اسلامی تہذیب کا قطعی اثر نہ پڑا ہو۔ لیکن یہ اثر اس قوت میں زیادہ واضح اور نمایاں ہے جسے عصر جدید کی مہتم بالشان خصوصیت یعنی علمی، طبعی اور سائنٹفک اسپرٹ کہا جاتا ہے[1]۔

ڈاکٹر گستاؤ لیبان ایک مشہور مستشرق اپنی کتاب "تمدن عرب" میں عربوں کی ان خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"تجربہ اور مشاہدہ کو اقوال اساتذہ کے مقابل میں تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عموماً بیکن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس وقت تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کے موجد عرب تھے۔ کل محققین یورپ علی الخصوص ہمبولڈ جنہوں نے عربی تصنیفات کو دیکھا ہے اب اس امر کے قائل ہیں۔ ہمبولڈ یہ لکھنے کے بعد کہ علمی ترقی کا اصل درجہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادہ سے یعنی بذریعہ تجربہ حوادث طبعیہ پیدا کر سکے بطورِ تمثیل لکھتا ہے "عربوں نے یہ درجہ جس سے متقدمین بالکل ناواقف تھے حاصل کر لیا تھا۔"

"پس عربوں ہی نے علمی تحقیقات میں تجربہ کو داخل کیا اور ایک زمانہ تک صرف عرب ہی تھے جو اس طریقہ کو جانتے تھے۔ موسیو ڈیلامبر اپنی تاریخی ہیئت میں لکھتے ہیں کہ اگر یونانیوں میں

[1] THE MAKING OF HUMANITY

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ مشکل دو یا تین آدمی اجرامِ سماوی کے مشاہدہ کرنے والے تھے تو عربوں میں برخلاف اس کے بکثرت ایسے لوگ موجود تھے۔ یونانیوں میں علمِ کیمیا کا تجربہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ برخلاف اس کے عربوں میں سینکڑوں تھے۔"

مجھے امید ہے کہ یہ تصریحات جو ہیون صاحب کے اپنے بھائی بندوں نے پیش کی ہیں، اُن کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں کہ اسلام علمی ترقی کا مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے۔ علماءِ اسلام اہلِ کلیسا کی طرح ہر نئی تحقیق پر اصحابِ علم کو کافر ٹھہرا کر اُن پر عرصۂ حیات تنگ نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ یہی لوگ تھے جنہوں نے ان کی قدردانی کی، ان کے نتائج پر نقد کیا، اور انہیں اُن کی غلطیوں سے پورے دلائل کے ساتھ متنبہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے عقل پر پہرے نہیں بٹھائے بلکہ اُسے چار چاند لگائے اور علم کو وحی و الہام کی روشنی میں آخری زینے تک پہنچایا۔ لہٰذا ہیون صاحب کو اس معاملہ میں بالکل مطمئن ہونا چاہیے کہ یہ مذہبی دیوانے" علم و فن کے دشمن نہیں بلکہ جو کچھ علم اُن تک پہنچا ہے وہ سب انہی کی سعی و جہد کا نتیجہ ہے۔

بیجا نہ ہوگا اگر میں یہاں چند باتیں اسلامی ریاست کے بارے میں بھی عرض کر دوں۔ مذہبی ریاست کا نام سنتے ہی آج کل کے "اہلِ نظر" کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ چند جاہل، مذہبی سرپھرے، پُرغضب چہروں، چڑھی ہوئی تیوریوں اور شرر فشاں آنکھوں کے ساتھ مسندِ اقتدار پر قابض ہو گئے ہیں اور اُن کا مقصدِ حیات یہی ہے کہ وہ ترقی کی راہ روک کر بیٹھ جائیں، معصوم اور بھولے بھالے عوام کو خدا اور آخرت کا نام لے لے کر ڈرائیں اور اُن کے گاڑھے پسینے سے حاصل کی ہوئی کمائی کو ذاتی آرام و آسائش پر بے دریغ صرف کریں۔" اگر گستاخی معاف ہو تو عرض کر دوں کہ مذہبی حکومت کا یہ گھناؤنا نقشہ عہدِ حاضر کے اُن زرخیز دماغوں کی کرشمہ سازی ہے جو خود پچھلے دو سو سال سے ہر قسم کے اسلحہ کے ساتھ قزاقوں کی طرح کمزوروں کو لوٹ رہے ہیں، جن کی تنگ نظری، زیادتی اور مردم آزاری نے آج پوری نوعِ انسانی کے لیے جینا محال کر دیا ہے۔ جن کی چیرہ دستیوں، تصادموں اور چالبازیوں کی ساری مخلوقِ خدا نوحہ خواں ہے۔

پھر اگر ان کے بنائے ہوئے اس نقشہ کو چند منٹوں کے لیے صحیح بھی مان لیا جائے تو آخر یہ کہاں لازم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتا ہے کہ مذہبی ریاست کی ہر جگہ یہی ایک شکل رہی۔ جس طرح محض کسی ریاست کا لادینی ہونا اس کے کسی ایک مخصوص ڈھانچہ کی ضمانت قرار نہیں دیا جا سکتا، بالکل اسی طرح کسی ریاست کے مذہبی ہونے کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ اس کی تشکیل لازماً یورپ کی عیسائی ریاستوں کے طرز پر ہی ہونی چاہیے۔ اگر مغرب میں ان ریاستوں نے کمزوروں پر مظالم ڈھائے تو اس کے برعکس مشرق میں انہی حکومتوں نے شہنشاہیت کے ستائے ہوئے لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دی، ایک خدا کے تخت اقتدار کو زمین پر بچھایا اور دنیا بھر کی سطوت و خدائی کو ختم کیا۔ پندار و غرور نے الوہیت و خدائی کی جو عقیقی صورتیں اختیار کر رکھی تھیں انہیں چن چن کر مٹایا اور انسان کو موقع دیا کہ وہ ایک بہتر اور آزاد زندگی بسر کر سکے۔ چنانچہ رابرٹ برائی فالٹ نے اس سلسلہ میں بالکل درست کہا ہے۔

"مغرب میں مذہبی حکومت کا خواہ کچھ ہی تصور ہو۔ مگر مشرق میں یہ حکومت کبھی بھی ذہنی استبداد کا موجب نہیں بنی۔ ہم یہاں ظلمت پسندی، خیالات پر قدغن اور علم پر پابندی کی کوئی مثال نہیں پاتے جس کے لیے مغربی دنیا یونان اور روم سمیت مشہور رہی ہے۔"

یورپ جس مذہبی حکومت سے واقف ہے، اسلام اس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ میں تھیا کریسی سے مراد وہ ریاست ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ کو فرمانروائی کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں اور وہ عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر سکے۔ اس کے برعکس اسلام جس تھیا کریسی کا تصور پیش کرتا ہے اس میں خداوند تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کے تحت سارے مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت عطا کی گئی ہے۔ یہ حق کسی ایک گروہ کو تفویض نہیں کیا گیا بلکہ ہر مسلمان اس زمین پر خدا کا نائب، شاہد علی الناس اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں براہ راست خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ یہاں عاملہ صرف ایک فرد یا گروہ کی رائے سے نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے۔ اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ میں سے ہر شخص خواہ اس کی دنیاوی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ ہی ہو اس بات کا مستحق ہوگا کہ وہ اس میں اپنی رائے پیش کر سکے۔ اس لیے اس حکومت کو تھیا کریسی کی بجائے اگر الٰہی جمہوری حکومت (THEO-DEMOCRACY) کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔"[1]

اس کے علاوہ اس ریاست کا دائرۂ کار، یورپ کی مذہبی ریاستوں سے بھی بہت مختلف ہے۔ وہاں تو فرمانرواؤں کا فرض صرف اسی قدر تھا کہ وہ عوام پر زیادہ سے زیادہ ظلم کرکے انہیں نجاتِ اُخروی کے لیے تیار کرنے۔ مگر یہاں اُن کے فرائض بالکل دوسری نوعیت کے ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار کی باگیں ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ اس ریاست کی حدود کے اندر ہر قسم کے ظلم و عدوان، فتنہ و فساد کو ختم کرکے، باہمی محبت و رواداری ایسے جذبات کو پروان چڑھائیں۔ یہاں بھلائی کو فروغ دیں اور برائی کو اپنی تمام شکلوں میں مٹائیں۔ ان حضرات پر عوام کے کچھ حقوق کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جان و مال، آبرو کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس ریاست میں بسنے والے انسانوں کی بنیادی ضروریات بھی پوری کی جائیں۔ اس معاملہ میں چھوٹے بڑے، امیر و غریب، مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں۔ ان میں اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی صاحب اسلامی حکومت کو یورپ کی تھیاکریسی پر قیاس کرکے کوئی فیصلہ دینے پر مصر ہوں تو آخر اس کا کیا علاج کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں ایک دو باتیں جماعتِ اسلامی کے بارے میں بھی عرض کی جاتی ہیں۔ یہ جماعت جس مقصد کے لیے قائم کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

> "انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شعبوں (فکر و نظر، عقیدہ و خیال، مذہب و اخلاق، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت، تمدن و معاشرت، معیشت و سیاست، قانون و عدالت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات) سمیت خدا کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت پر قائم کیا جائے۔"

یہ مقصد روزِ اوّل سے جماعت کے پیشِ نظر رہا ہے اور آج بھی یہی ایک مقصد ہے جس کے لیے یہ کام کر رہی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہ اس کے پیشِ نظر کبھی تھا نہ آج ہے نہ انشاء اللہ کبھی ہوگا۔

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج تک جس کام سے اس نے دلچسپی لی ہے اسی مقصد کے لیے لی ہے۔

"جس چیز کو یہ جماعت قائم کرنا چاہتی ہے اُس کا جامع نام قرآن کی اصطلاح میں دینِ حق ہے یعنی وہ نظامِ زندگی جو حق (پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق اللہ کی بندگی واطاعت) پر مبنی ہے۔

ہمارے نزدیک اسلام اُن لوگوں کی جائداد نہیں ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں بلکہ خدا نے یہ نعمت اُن سب کے لیے بھیجی ہے جو انسان پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ روئے زمین کے کسی خطے میں بستے ہوں۔ اس بنا پر ہمارا مقصد محض مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کی زندگی کو دینِ حق پر قائم کرنا ہے۔ مقصد کی یہ وسعت آپ سے آپ تقاضا کرتی ہے کہ ہمارا اپیل عام رہے اور کسی مخصوص قوم کے مفاد کو مدِنظر رکھ کر کوئی ایسا عمل نہ اختیار کیا جائے جو اسلام کے اس عام اپیل کو نقصان پہنچانے والا ہو یا اس کی نقیض واقع ہو۔ مسلمانوں سے ہم کو دلچسپی اس بنا پر نہیں ہے کہ ہم اُن میں پیدا ہوئے اور وہ ہماری قوم ہیں، بلکہ اُن کے ساتھ ہماری دلچسپی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کو مانتے ہیں، دنیا میں اس کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں، نوعِ انسانی تک اس کا پیغام پہنچانے کے لیے انہی کو ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور دوسروں کے لیے اس پیغام کو موثر بنانا اس کے بغیر ممکن بھی نہیں ہے کہ جو لوگ پہلے سے مسلمان ہیں وہ اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں پورے اسلام کا نقشہ پیش کریں۔

ہم نے اپنے مقصد کے لحاظ سے اپنی تحریک کو اس طرز پر اُٹھایا ہے کہ ایک طرف اس کی دعوت تمام انسانوں کے لیے عام رہے، اور دوسری طرف مسلمانوں کو اسلام کی مکمل اور صحیح علمی اور عملی شہادت دینے کے لیے تیار کیا جائے"[1]

جس طرح ہمارا مقصد دوسری قوموں اور جماعتوں کے مقاصد سے مختلف ہے اسی طرح ہمارا طریق کار بھی دوسروں سے الگ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ نیک مقاصد صرف جائز طریقوں سے ہی حاصل کیے جا سکتے

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی: جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اگر مجھے علمِ اخلاق (ETHICS) کی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو میں عرض کرونگا کہ ہم مقصد اور ذرائع دونوں پر فتویٰ (JUDGEMENT) لگاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی صحیح نصب العین تک غلط راستوں سے نہیں پہنچا جاسکتا۔ اسی لیے ہم تمام آئینی اور جمہوری ذرائع کو بروئے کار لاکر رائے عامہ کو اس انقلاب کے حق میں ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے تحریری دستور میں یہ چیز غیر مبہم الفاظ میں یوں درج ہے:۔

"اپنے مقصد اور نصب العین کے حصول کے لیے یہ جماعت کبھی ایسے ذرائع اور طریقوں کو استعمال نہیں کریگی جو صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہو۔"
(دفعہ ۱۰ ۔ شق نمبر ۲)

"جماعت اپنے پیشِ نظر اصلاح اور انقلاب کے لیے جمہوری اور آئینی طریقوں سے کام کرے گی یعنی یہ کہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعہ سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے اور رائے عام کو اُن تغیرات کے لیے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیشِ نظر ہیں" (دفعہ ۱۰ ۔ شق ۳)

"جماعت اپنے نصب العین کے حصول کی جدوجہد خفیہ تحریکوں کے طرز پر نہیں کریگی بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ کرے گی" (دفعہ ۱۰ ۔ شق نمبر ۴)

بقیہ تزکیہ نفس

ہر علم علم ہے، ہر چیز کے پڑھنے پڑھانے والوں سے مدرسے اور کالج بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ گندے سے گندے رسالے اور ناپاک سے ناپاک افسانے بھی لاکھوں کی تعداد میں اس ملک کے اندر چھپتے اور بکتے ہیں اور لوگ ان کو خریدتے اور پڑھتے ہیں لیکن اگر کسی علم کے پڑھنے پڑھانے والے مفقود ہیں تو یہ وہ علم ہے جس کو اللہ اور رسول کا علم کہا جاتا ہے۔ یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔

© rasailojaraid.com